© rasailojaraid.com

شیخ محمد صالح المنجد

رمضان المبارک سے متعلقہ اہم فتاویٰ

رمضان میں شیطانوں کا جکڑا جانا؟

سوال: رمضان میں شیطانوں کو قید کر دیا جاتا ہے، اس کے باوجود رمضان میں برائیاں کیوں ہوتی ہیں؟

جواب: جی ہاں رمضان کریم میں بھی ہو سکتا ہے کہ شیطان وسوسہ ڈالیں اور اسی طرح جادو گر بھی رمضان میں کام کرتے ہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب کچھ رمضان میں دوسرے مہینوں سے کم ہوتا ہے۔ اور نبی مکرم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

"جب رمضان شروع ہوتا ہے تو جنّت کے دروازے کھول دیے جاتے اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے اور شیطانوں کو زنجیریں ڈال دی جاتی ہیں۔"[1]

اور سنن نسائی میں یہ الفاظ ہیں «وَتُغَلُّ فِيهِ مَرَدَةُ الشَّيَاطِينِ»[2]

کہ "رمضان میں سرکش شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے۔"

تو المَرَدَة مارد کی جمع ہے جس کے معنیٰ شرپسندی کے لیے خاص ہیں۔ اس کے معنیٰ یہ نہیں کہ کلی طور پر شیطانوں کی تاثیر ہی ختم ہو جاتی ہے، بلکہ یہ تو اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ رمضان میں کمزور پڑ جاتے اور رمضان کے علاوہ جو اُن کی طاقت ہوتی ہے، وہ رمضان میں نہیں رہتی۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ صرف سرکش شیطان ہی جکڑے جاتے ہوں، سب نہیں۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اگر یہ سوال اُٹھایا جائے کہ اگر رمضان میں شیطان جکڑ دیے جاتے ہیں تو پھر معاصی اور

1 صحیح بخاری: ۳۲۷۷؛ صحیح مسلم: ۱۰۷۹
2 سنن نسائی: ۲۱۰۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شر و گناہ رمضان میں کیوں پایا جاتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ

"اس شر اور معاصی کی روزہ داروں سے کمی ہو جاتی ہے۔ اگر روزہ کے آداب اور اس کی شرائط پر عمل کیا جائے تو روزہ اُن میں کمی لاتا ہے۔"

یا پھر یہ ہے کہ سب شیطان نہیں، بلکہ اُن میں صرف سرکش شیطان ہی جکڑے جاتے ہیں جیسا کہ کئی ایک روایات میں اس کی وضاحت آئی ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

یا اس سے شر اور معاصی کی کمی مراد اور مقصود ہے، اور یہ تو سب محسوس کرتے ہیں کہ رمضان میں معاصی کا وقوع پہلے کی بنسبت کم ہو جاتا ہے، اور پھر یہ بھی لازم نہیں کہ جب سب شیطانوں کو بھی جکڑ دیا جائے تو معاصی اور شر کا وقوع نہ ہو، کیونکہ اس کے شیطانوں کے علاوہ اور بھی کئی اسباب ہیں، مثلاً نفوسِ خبیثہ اور بری، گندی عادات اور اسی طرح انسانوں میں سے شیاطین۔[1]

کیا عورت بھی مکمل آخری عشرہ اعتکاف کر سکتی ہے؟

سوال: میں ایک نو مسلم عورت ہوں اور عورت کے اعتکاف کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہوں، کیا اگر مسجد میں عورتوں کے لیے مخصوص جگہ ہو تو عورت اعتکاف کر سکتی ہے؟ اور اگر عورتوں کے لیے اعتکاف کرنا جائز ہے تو ان کے لیے کتنے دن تک اعتکاف کرنا ممکن ہے، تین دن یا پانچ یا سات دن یا پھر مکمل آخری عشرہ؟

جواب: اس اللہ وحدہ لاشریک کا شکر اور تعریف ہے جس نے آپ کو اسلام قبول کرنے کی ہدایت نصیب فرمائی، ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کے ایمان اور ہدایت میں اضافہ فرمائے۔

جی ہاں! عورت کے لیے مسجد میں اعتکاف کرنا جائز ہے، بلکہ مردوں اور عورتوں کے لیے سنّت بھی یہی ہے کہ وہ مسجد ہی میں اعتکاف کریں۔ افضل تو یہی ہے کہ رمضان کا مکمل آخری عشرہ اعتکاف کیا جائے، کیونکہ نبی ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا تھا اور ازواجِ مطہرات اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہی عمل ثابت ہے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

"نبی ﷺ اپنی زندگی کے آخر تک رمضان المبارک کے مکمل آخری عشرہ کا اعتکاف کرتے

[1] فتح الباری: ۴/۱۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے، پھر ان کے بعد نبی ﷺ کی ازواج مطہرات بھی اعتکاف کرتی رہیں۔"[1]

جب کوئی مسلمان شخص پورا عشرہ اعتکاف نہ کر سکے تو اس کے لیے جائز ہے کہ اس کے لیے جتنے ایام بھی میسر ہوں اعتکاف کرے، دو دن یا تین یا اس سے بھی کم چاہے ایک ہی رات کا اعتکاف کرے یہ سب جائز ہے۔ شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"مسجد میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے رکنے کو اعتکاف کہا جاتا ہے، چاہے وہ زیادہ مدت کے لیے ہو یا کم مدت کے لیے، کیونکہ میرے علم کے مطابق اس کے بارے میں کوئی حدیث وارد نہیں، جس میں ایک یا دو دن یا اس سے زیادہ کی تحدید کی گئی ہو۔"[2]

تراویح میں وتر پڑھ لینے کے بعد رات کو مزید نفلوں میں وتر کا طریقہ؟

سوال: تراویح کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آخری دو رکعت پر ان نوافل کا اختتام کیا جا سکتا ہے یا آخر میں وتر ادا کرنا ضروری ہے؟ میں نے سنا ہے کہ آخر میں وتر ادا کرنا واجب ہے، تو کیا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب ہم نے سونے سے قبل نماز ادا کر لی اور رات کو بیدار ہو کر دوبارہ پڑھنا چاہیں تو ہمیں پھر دو دو رکعت کے بعد وتر ادا کرنا ہوں گے؟ یا مجھے وتر مؤخر کر کے رات کے آخری حصہ میں ادا کرنے چاہییں؟

جواب: جب مسلمان رات کے شروع میں نمازِ وتر ادا کر لے اور رات کے آخری حصہ میں دوبارہ نماز ادا کرنا چاہے تو وہ دو دو رکعت ادا کرے گا اور وتر کی دوبارہ ادائیگی نہیں کرے گا۔

اور نبی ﷺ نے جو یہ حکم دیا ہے کہ رات کی آخری نماز وتر ہونی چاہیے، تو یہ حکم استحباب کے لیے ہے نہ کہ وجوب کے لیے۔ شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا:

"جب میں رات کے شروع میں وتر ادا کر لوں تو رات کے آخر میں دوبارہ بیدار ہونے پر نماز کس طرح ادا کروں؟" تو شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا جواب تھا:

"جب آپ سونے سے قبل رات کے شروع ہی میں وتر ادا کر لیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو

---

1 صحیح بخاری: ۲۰۲۶؛ صحیح مسلم: ۱۱۷۲

2 فتاویٰ شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ: ۱۵/۴۴۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رات کے آخری حصہ میں بیدار ہونے کی توفیق بخشی تو پھر آپ جتنی میسر ہو سکے، دو دو رکعت کر کے نماز ادا کریں اور وتر نہ پڑھیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ”ایک رات میں دو بار وتر نہیں۔“

اور اس لیے بھی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ وتر ادا کرنے کے بعد بیٹھ کر دو رکعت ادا کیا کرتے تھے[1]، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کے لیے وتر کے بعد نماز ادا کرنے کا جواز بیان کیا جا سکے۔[2]

رمضان المبارک میں نمازِ عشا میں تاخیر کرنا

سوال: ہماری مسجد کے امام صاحب رمضان المبارک میں نمازِ عشا تقریباً ایک گھنٹہ لیٹ کرتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب: نمازِ عشا کا وقت سورج غروب ہونے کے بعد آسمان میں پیدا ہونے والی شفق احمر یعنی سرخی غائب ہونے سے لے کر نصف رات تک ہے۔ اور نمازِ عشا میں افضل اور بہتر یہ ہے کہ اسے تاخیر سے ادا کیا جائے لیکن جب اس میں لوگوں پر کوئی مشقت نہ ہو۔ اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يُؤَخِّرُوا العِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ أَوْ نِصْفِهِ»[3]

”اگر میں اپنی اُمّت پر مشقت نہ سمجھوں تو انہیں نمازِ عشا تاخیر سے پڑھنے کا حکم دوں کہ وہ نصف رات یا اس کے تیسرے حصے تک نماز مؤخر کریں۔“

لہٰذا اس حدیث میں نمازِ عشا کو تاخیر سے پڑھنے کے حکم کا استحباب پایا جاتا ہے لیکن اگر مقتدیوں پر اس کی تاخیر کرنے میں مشقت ہو تو پھر نماز عشا جلدی ادا کی جائے گی۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

---

۱ صحیح سنن أبی داود از البانی، حدیث: ۱۱۹۱

۲ فتاویٰ شیخ ابن باز: ۱۱/ ۳۱۱

۳ جامع ترمذی، باب ماجاء فی تأخیر صلاۃ العشاء الآخرۃ، حدیث: ۱۶۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ایک رات نبی ﷺ نے نمازِ عشا میں اتنی تاخیر کر دی کہ رات کا اکثر حصہ گزر گیا اور مسجد والے نمازی سو گئے، پھر نبی ﷺ تشریف لائے اور فرمانے لگے:

"اگر میں اپنی اُمت پر مشقت نہ سمجھوں تو نمازِ عشاء کا وقت یہی ہے۔"[1]

اور ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی نمازوں کے اوقات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"نبی ﷺ بعض اوقات نمازِ عشا تاخیر سے اور بعض اوقات جلدی ادا کیا کرتے تھے، جب دیکھتے کہ لوگ جمع ہو گئے ہیں تو آپ جلدی کرتے اور جب دیکھتے کہ ابھی جمع نہیں ہوئے تو نمازِ عشا میں تاخیر کرتے تھے۔"[2]

بعض ممالک میں لوگ رمضان المبارک کے مہینہ میں نمازِ عشا عام وقت سے آدھ گھنٹہ تاخیر سے پڑھنے کے عادی ہیں تاکہ افطاری کے بعد کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر آسانی سے نماز عشا اور تراویح کی تیاری کر سکیں۔ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، تاہم اس میں شرط یہ ہے کہ امام نمازِ عشا اور تراویح میں اتنی تاخیر نہ کرے کہ مقتدیوں کے لیے مشکل پیدا ہو جائے۔

اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ اس مسئلہ میں مسجد کے مقتدیوں سے مشورہ کریں اور اُن کی مشاورت سے وقت طے کر لیں، کیونکہ اُنہیں علم ہے کہ کس وقت نمازِ عشا کی ادائیگی اُن کے لیے مناسب رہے گی۔

مرد و عورت کی آپس میں Chating (انٹرنیٹ پر گپ شپ) اور روزے پر اس کا اثر

سوال: رمضان المبارک میں گرل فرینڈ کے ساتھ انٹرنیٹ کے ذریعہ پیغام رسانی کا حکم کیا ہے، جبکہ اس نے کیمرہ بھی آن کر رکھا ہو اور میں اسے دیکھ رہا ہوں، لیکن یہ سب کچھ احترام کی حدود میں رہتے ہوئے کیا جائے؟

جواب: __اوّل:__ نسل و عزت کی حفاظت شریعتِ اسلامیہ کے ضروری مقاصد میں شامل ہے، اسی لیے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے زنا حرام کیا، بلکہ زنا تک لے جانے والے سب وسائل مثلاً مرد کا اجنبی عورت کے

---

1 صحیح مسلم: ۶۳۸

2 صحیح بخاری: ۵۶۰؛ صحیح مسلم: ۶۴۶؛ معرفۃ الاوقات از ڈاکٹر خالد المشیقح: ۱/ ۲۹۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ خلوت کرنا، گناہ کی نظر سے دیکھنا، بغیر محرم کے عورت کا سفر کرنا، عورت کا گھر سے بناؤ سنگھار کر کے اور خوشبو لگا کر بے پردہ باہر نکلنا اور دیگر اُمور کو بھی حرام قرار دیا۔

اور اس میں یہ بھی شامل ہے کہ مرد چوری چھپے عورت سے بات چیت کرے، اور عورت اس کے ساتھ لہک لہک کر باتیں کرے تا کہ اسے برانگیخت کرے، اور اسے دھوکہ میں لا کر اس کی شہوت بھڑکائے اور وہ اس کی چالوں میں آجائے، چاہے یہ اظہار راستے میں ملاقات کے وقت ہو، یا پھر ٹیلیفون پر بات چیت کر کے، یا خط و کتابت Chating وغیرہ کے ذریعہ تعلقات قائم کرنا۔

اور پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کی ازواج مطہرات، حالانکہ وہ پاکباز بیبیاں ہیں، کے لیے بھی دورِ جاہلیت کا بناؤ سنگھار کر کے باہر نکلنا، اور نرمی سے بات کرنا حرام قرار دیا ہے، کہ کہیں دل میں کھوٹ والا شخص طمع کا شکار نہ ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ نے اُنہیں حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ اچھی بات کریں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿٣٢﴾ ﴾[1]

"اے نبی ﷺ کی بیویو! تم کوئی عام عورتیں نہیں، اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو نرم گفتگو نہ کرو کہ جس کے دل میں (گناہ) بیماری ہو تو وہ لالچ کرنے لگے، اور سیدھی سادھی بات کرو۔"

انٹرنیٹ کے ذریعہ مرد و عورت کا آپس میں بات چیت اور گپ شپ کرنا بالاولیٰ فتنہ اور شر ہے، کیونکہ اس بات چیت کے نتیجہ میں کلام میں تساہل پیدا ہوتا ہے جو اکثر اوقات فتنہ اور خود پسندی کا باعث بنتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی سزا سے بچنے کے لیے اس سے گریز کرنا اور دور رہنا ضروری ہے۔ اس طرح کی باتیں کرنے والے کتنی ہی مصیبت اور شر کا شکار ہوئے حتی کہ وہ عشق و جنون میں مبتلا ہو گئے، اور اس نے اُنہیں اس سے بھی بڑے شر میں دھکیل دیا۔ معاذ اللہ

شیخ ابن جبرین حفظہ اللہ سے درج ذیل سوال دریافت کیا گیا:

"نوجوان لڑکے لڑکیوں کا آپس میں خط و کتابت Chating کرنے کا حکم کیا ہے، یہ علم میں

1 سورۃ الاحزاب: ۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے کہ خط و کتابت عشق و محبت اور فاسقانہ کلام سے خالی ہے؟

شیخ کا جواب تھا:

"کسی بھی انسان کے لیے اجنبی عورت سے خط کتابت کرنا جائز نہیں کیونکہ ایسا کرنے میں فتنہ وفساد ہے، ہو سکتا ہے کہ خط وکتابت کرنے والا یہ سمجھے کہ ایسا کرنے میں کوئی فتنہ وفساد اور خرابی پیدا نہیں ہوتی لیکن شیطان ہر وقت اسے دھوکا و فریب میں لگائے رکھے گا، اور اس عورت کو بھی فریب دے گا حتی کہ وہ دونوں ہی فتنہ وشر میں مبتلا ہو جائیں گے۔"

نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ جو شخص بھی دجال کے متعلق سنے تو وہ اُس سے دور رہے، اور یہ بھی بتایا کہ آدمی دجال کے پاس آئے گا تو وہ مؤمن ہو گا، یعنی ایمان کی حالت میں آئے گا، لیکن دجال اسے فتنہ میں ڈالے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ چنانچہ نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کی خط وکتابت میں بہت بڑا فتنہ اور سنگین خطرہ ہے، اس لیے اس سے اجتناب کرنا اور دور رہنا ضروری ہے، چاہے سائل یہ کہتا رہے کہ "اس میں عشق ومحبت اور جنون کی باتیں نہیں ہیں۔"[1]

دوم: روزے دار کو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے، اور اس کے احکام پر عمل کرنے، اور جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، اس سے اجتناب کا حکم ہے۔

روزے کا مطلب کھانے پینے سے رکنا نہیں، بلکہ روزے کا مقصد تو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور پرہیزگاری پیدا ہونا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔"

اور نفس کی تربیت اور ہر قسم کے برے اعمال اور گندے اخلاق سے اجتناب ہے، اسی لیے رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

"کھانے پینے سے رکنے کا نام روزہ نہیں، بلکہ لغو اور بے ہودہ اور گندے اعمال سے اجتناب روزہ ہے۔"[2]

عذر کی بنا پر رمضان کے روزے چھوڑنے والا کیا صدقہ فطر ادا کرے گا؟

سوال: کیا عذر مثلاً سفر یا بیماری کی بنا پر مکمل رمضان المبارک کے روزے نہ رکھنے والے پر بھی فطرانہ

1 فتاوی المراۃ: جمع وترتیب محمد المسند: ص ۹۶

2 مستدرک حاکم: علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح الجامع: ۵۳۷۶ میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ادا کرنا فرض ہے؟

جواب: ائمہ اربعہ وغیرہ میں سے جمہور اہل علم کا یہ کہنا ہے کہ فطرانہ کی ادائیگی ہر مسلمان شخص پر فرض ہے، چاہے وہ روزے نہ بھی رکھے، اس میں سعید بن مسیّب اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہم کے علاوہ کسی اور نے مخالفت نہیں کی، ان دونوں کا کہنا ہے: ”فطرانہ صرف روزہ رکھنے والے پر ہی فرض ہے۔“

لیکن درج ذیل دلائل کی بنا پر جمہور اہل علم کا قول ہی صحیح ہے:

a **فطرانہ کی فرضیت کی اصل حدیث کا عموم:** سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرانہ میں ایک صاع جو، یا ایک صاع کھجور ہر غلام اور آزاد، مرد و عورت چھوٹے اور بڑے مسلمان پر فرض کیا، اور حکم دیا کہ لوگوں کے نمازِ عید کے لیے جانے سے قبل فطرانہ ادا کیا جائے۔“[1]

اس حدیث میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول: 'ہر چھوٹے' میں وہ بھی شامل ہے جو روزہ نہ رکھ سکتا ہو۔

b صدقات اور زکوٰۃ کی مشروعیت میں غالباً مسکین اور فقیر کی مصلحت اور معاشرے کا ایک دوسرے کے ساتھ عمومی تعاون مدنظر رکھا گیا ہے، اور یہ سب سے زیادہ فطرانہ میں ظاہر ہوتا ہے کہ ہر چھوٹے اور بڑے غلام اور آزاد مرد و عورت پر فطرانہ فرض کیا گیا ہے، اور شارع نے اس کی فرضیت میں نہ تو نصاب کی شرط رکھی ہے، اور نہ ہی سال کی، اسی لیے یہ اس پر بھی فرض ہوتا ہے جو کسی عذر یا بغیر عذر کے روزے نہ رکھ سکا ہو، وہ بھی اس فطرانہ کی فرضیت کے مقصد کے ضمن میں آتا ہے۔

c اور جس نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ دار کے لیے لغو و بے ہودگی سے پاکی اور مساکین کے لیے بطورِ کھانا فطرانہ فرض کیا۔“[2]

ان کا استدلال اس حدیث کے الفاظ: ”روزہ دار کے لیے پاکی“ سے یہ ہے کہ فطرانہ صرف روزے دار پر فرض ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے:

---

1 صحیح بخاری: ۱۵۰۳؛ صحیح مسلم: ۹۸۴
2 سنن ابو داود: ۱۶۰۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

”یہاں تطہیر اور پاکی کو غالب طور پر ذکر کیا گیا ہے، جس طرح کہ فطرانہ اس پر بھی فرض ہے جو گناہ نہیں کرتا، اور یا وہ شخص جو غروبِ شمس سے کچھ دیر قبل اسلام لایا ہو۔“[1]

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی کلام کا معنیٰ یہ ہے کہ غالب طور پر فطرانہ اس لیے مشروع کیا گیا ہے کہ یہ روزہ دار کو پاک کرتا ہے، لیکن یہ پاکی اس کے فرض ہونے کی شرط نہیں، اس کی مثال زکاۃ کا مال ہے، کیونکہ یہ بھی مال کو پاک صاف کرنے کے لیے فرض کی گئی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝١٠٣ ﴾[2]

”آپ ان کے مالوں سے صدقہ (زکاۃ) لے لیجئے جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کردیں، اور ان کے لیے دعا کیجئے، بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے موجبِ اطمینان ہے، اور اللہ تعالیٰ خوب سنتا اور خوب جانتا ہے۔“

اس کے باوجود زکاۃ چھوٹے بچے کے مال میں بھی فرض ہوتی ہے، حالانکہ وہ تطہیر کا محتاج نہیں، کیونکہ اس کی کوئی برائی نہیں لکھی جاتی۔

شیخ ابن جبرین حفظہ اللہ نے اس کا ایک اور جواب دیتے ہوئے کہا ہے:

”بچوں اور غیر مکلّف افراد، اور سفر یا بیماری کے عذر کی بنا پر روزے نہ رکھنے والوں کا فطرانہ ادا کرنا حدیث کے تحت آتا ہے، اور غیر مکلفین کے اولیا کے لیے پاکیزگی کا باعث ہوگا، اور عذر کی بنا پر روزے نہ رکھنے والوں کے لیے بھی پاکیزگی کا باعث ہے، کیونکہ وہ عذر زائل ہونے کے بعد روزے رکھیں گے، تو اس طرح روزے رکھنے یا روزوں کی تکمیل سے قبل ہی پاکیزگی حاصل ہوگی۔“[3]

مروّجہ شبینہ شرعی لحاظ سے درست ہے یا نہیں؟

سوال: مروّجہ شبینہ (ایک ہی رات نوافل میں قرآن مجید ختم کرنا) شرعی لحاظ سے درست ہے یا نہیں؟ اور اگر

---

۱ فتح الباری: ۳۶۹/۳

۲ سورۃ التوبۃ: ۱۰۳

۳ فتاوی الزکاۃ (فطرانہ): ۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مروجہ شبینہ کے علاوہ ایک رات میں قرآنِ مجید ختم کرلیا جائے تو کیا ٹھیک ہے؟ اور شرعی لحاظ سے کتنے دنوں میں قرآن مجید ختم کرنا چاہیے؟

جواب: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ «لَمْ يَفْقَهْ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ» [1] "یعنی جس نے قرآن کو تین سے کم دنوں میں ختم کیا، وہ اس کی فقاہت سے محروم ہو گیا" گویا کم از کم تین دن میں قرآن مجید ختم کرنا چاہیے۔ لیکن بہت سے آثار میں سلف رحمۃ اللہ علیہم سے تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم کرنے کا ذکر آیا ہے، بنا بریں آٹھویں صدی ہجری کے ایک نامور فقیہ و محدث حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث عام حالات کے بارے میں ہے، اوقاتِ فاضلہ (مثلاً رمضان شریف) میں تین دن سے کم مدت میں قرآن مجید ختم کیا جا سکتا ہے۔ طبیعت کا نشاط اور شوق جس قدر اجازت دے، قرآن مجید کی تلاوت کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا آدابِ تلاوت و قیام کو حتیٰ الامکان ملحوظ رکھتے ہوئے ایک رات میں قرآنِ مجید ختم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ تاہم بہتر یہی ہے کہ تین رات میں ہی ختم کیا جائے جیسا کہ ہمارے ہاں عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے۔ [2]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وتر با جماعت پڑھنے کا ثبوت؟

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وتر با جماعت ثابت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین دن رمضان میں گیارہ رکعت تراویح مع وتر جماعت سے ثابت ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُبی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہم کو گیارہ رکعت مع وتر با جماعت حکم فرمایا تھا۔ نفل نماز با جماعت ثابت ہے، رمضان و غیر رمضان میں وتروں میں جماعت کی ممانعت پر کوئی دلیل بھی نہیں۔ قیام اللیل صفحہ ۹۷ میں بہت صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال جواز پر دالّ ہیں۔ واللہ اعلم [3]

نمازی مسجد کے باہر نماز ادا کر رہے ہوں اور بجلی منقطع ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: ایک بار مجھے نمازِ عشا میں تاخیر ہو گئی، اور مسجد کے اندر جگہ نہ مل سکی چنانچہ ہم نے مسجد کے باہر

۱ مشکوٰۃ المصابیح: ۱/۲۲۰۱، بحوالہ سنن ترمذی و ابو داؤد

۲ ہفت روزہ 'الاعتصام' لاہور، جلد ۲۶ / شمارہ ۱۰

۳ اخبار اہل حدیث لاہور جلد ا شمارہ ۴۷: ۱۱ شوال ۱۳۹۰ھ... مفتی: علی محمد سعیدی، جامعہ سعیدیہ خانیوال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نماز ادا کی، آخری رکعت میں بجلی منقطع ہو گئی اور سپیکر کی آواز ختم ہونے کی بنا پر ہم امام کی آواز نہ سن سکے، اس حالت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

جواب: اگر کچھ نمازی مسجد سے باہر نماز ادا کر رہے ہوں اور بجلی چلی جانے کی بنا پر امام کی اقتدا کرنا مشکل ہو جائے تو اس صورت میں مسجد کے قریب والے مقتدی کے لیے بلند آواز سے تکبیر کہنا مشروع ہے، تاکہ مسجد سے باہر والے لوگ سن سکیں اور ان کے لیے امام کی اقتدا ممکن ہو۔

اور اگر ایسا نہ کرے تو پھر اُنہیں دو چیزوں میں سے ایک اختیار کرنے کا حق حاصل ہے:

یا تو وہ انفرادی طور پر نماز مکمل کر لیں، اور یا ان میں سے کوئی شخص آگے بڑھ کر بطورِ امام باجماعت نماز مکمل کروائے، اولیٰ اور بہتر بھی یہی ہے، تاکہ امام کی آواز منقطع ہونے کے باعث نمازی اضطراب میں نہ پڑیں۔ جیسا کہ شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ سے درج ذیل سوال کیا گیا:

"ہم مسجد کے گراؤنڈ فلور پر نمازِ جمعہ ادا کر رہے تھے کہ بجلی منقطع ہو گئی اور مقتدی امام کی آواز نہ سن سکے، چنانچہ ایک مقتدی نے آگے بڑھ کر اُنہیں نماز مکمل کروائی، چنانچہ اس نماز کا حکم کیا ہے، یہ علم میں رکھیں کہ یہ جمعہ کی نماز تھی؟ اور اگر کوئی شخص آگے بڑھ کر نماز مکمل نہ کرواتا تو پھر کیا حکم تھا، کیا ہر ایک شخص انفرادی طور پر نماز مکمل کرے؟"

اور اگر ایسا کرنا جائز ہے تو کیا وہ ظہر کی نماز مکمل کرے، یا کہ نمازِ جمعہ سمجھ کر ہی، کیونکہ اس نے امام کا خطبہ سنا اور امام کے ساتھ نماز شروع کر کے ایک رکعت ادا بھی کر لی تھی؟"

شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا جواب تھا: "اگر واقعہ ایسا ہی ہو جیسا کہ سوال میں بیان کیا گیا ہے تو اُن سب کی نماز صحیح ہے، کیونکہ جس نے نمازِ جمعہ کی ایک رکعت پالی، اس نے نمازِ جمعہ پالیا، جیسا کہ صحیح حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

اور اگر کوئی مقتدی آگے بڑھ کر اُنہیں نماز مکمل نہ بھی کرواتا اور ان سب نے انفرادی طور پر آخری رکعت مکمل کر لی ہوتی تو بھی کفایت کر جاتا، جیسا کہ امام کے ساتھ ایک رکعت ادا کرنے والا شخص اُٹھ کر ایک رکعت انفرادی طور پر ادا کرتا ہے؛ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمومی فرمان ہے: "جس نے نماز کی ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی۔" [1]

1 مجموع فتاوی ابن باز: ۱۲/ ۳۳۱

© rasailojaraid.com